بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

اب یہ حقیقت ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ ہمارا نظام تعلیم خواہ تعلیم جدید ہو یا قدیم۔ نہ صرف یہ کہ ابتر اور اصلاح طلب ہے بلکہ وہ دراصل ایک ایسا گھن ہے جو اندر ہی اندر ہماری قومیت کے جسم کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ یونیورسٹیوں کی تعلیم کی نسبت ایک عام پکار ہے کہ ذریعۂ تعلیم قومی اور ملکی زبان ہونی چاہئے اور نصاب وطرزِ تعلیم ایسا ہونا چاہئے کہ طالب علم کا دماغ تقلیدی ہونے کے بجائے تخلیقی اور اجتہادی صلاحیتوں سے مالامال ہو۔ پھر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص بی اے۔ اور ایم اے ہی ہو۔ بلکہ کسی مضمون کی اعلیٰ تعلیم صرف ان طلبہ کے لئے مخصوص ہونی چاہئے جو طبعی رغبت واقتضا سے اپنی زندگی کسی علمی یا تعلیمی کام میں ہی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ صنعت وحرفت کی بڑی بڑی درسگاہیں اور بڑے بڑے کارخانے ہونے چاہئیں جہاں وہ طلبہ جو علمی اور تعلیمی کام کے لئے اپنی زندگیاں وقف نہیں کرسکتے۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد ٹریننگ حاصل کریں اور پھر اپنی معاش کا کوئی اچھا اور لائقِ عزت ذریعہ پیدا کرسکیں۔

یہ تو وہ عام چیزیں ہیں جو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں قوموں کے نقطۂ نظر سے آج کل کی انگریزی تعلیم کے مشترکہ نقائص ہیں۔ جہاں تک مسلمانوں کی ذات کا تعلق ہے۔ ان کو ان چیزوں کے علاوہ تعلیم جدید کی درسگاہوں سے یہ شکایت بھی ہے کہ ان میں مسلمانوں کے علوم وفنون اور ان کے کلچر سے کوئی خاص اعتنا نہیں کیا جاتا۔ یوں ہونے کو تو نصابِ تعلیم میں عربی زبان بھی شامل ہے اور فارسی بھی۔ اردو بھی پڑھائی جاتی ہے اور اسلامی تاریخ کے بعض حصے بھی۔ اور انگریزی تعلیم کی جو درسگاہیں مسلمانوں کی اپنی ہیں ان میں ان سب کے علاوہ دینیات کی تعلیم کا بھی اہتمام نہیں ہوتا بلکہ عملاً بھی طلبا کو نماز روزہ کا پابند بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض درسگاہوں کا حال تو یہ ہے کہ وہاں ہر نماز کے وقت کلاس روم کی طرح طلبہ کی باقاعدہ حاضری

ہوتی ہے اور جو طالب علم بغیر کسی عذر کے غیر حاضر ہوتا ہے اس کو تھوڑا بہت جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

لیکن پھر دیکھ لیجئے اس اہتمام اور تاکید کے باوجود تعلیم جدید کے جو نتائج ہمارے سامنے آرہے ہیں وہ کس درجہ مایوس کن اور افسوسناک ہیں۔ سب کچھ پڑھنے کے بعد ایک اعلیٰ انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان کا جو سرمایہ ہوتا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں ہوتا کہ وہ انگریزی میں بات چیت کرسکتا ہے انگریزی میں دفتری تحریر لکھ سکتا ہے۔ اور بس! کبھی کوئی بہت ہی ذہین و طبّاع ہوا تو کسی مقابلہ کے امتحان میں کامیاب ہوکر کوئی نمایاں عہدہ سنبھال کر بیٹھ جاتا ہے۔ بس یہ ہے حاصل ان کروروں روپیہ کا جو ہر سال تعلیم پر خرچ کئے جاتے ہیں اور یہ ہے مآل ان دماغ ریزیوں اور جانفشانیوں کا جو ہمارے لاکھوں نوجوان روزانہ شب و روز کی محنت میں کرتے ہیں۔

اب پرانی تعلیم کا جائزہ لیجئے! تو معلوم ہوگا کہ یہاں کا حال بھی کچھ کم سقیم اور ابتر نہیں ہے اُن علوم و فنون سے قطع نظر جن کو ان مدرسوں کی چہار دیواری میں داخل ہونے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ صرف اُن علوم کو دیکھئے جن کا یہاں باقاعدہ درس ہوتا ہے اور جن کی تعلیم ہی ان مدارس کے قیام کی حقیقی علتِ غائی ہے۔ پھر بتائیے کہ ملک میں کتنے مفسر ہیں اور محدث کتنے۔ . . . فقہار کی تعداد کس قدر ہے اور عربی زبان کے ادیبوں کا شمار کیا ہے۔ منطق اور فلسفہ کے مبصر عالموں کی گنتی کیا ہے۔ اور علم الکلام کے ماہر کتنے لوگ کہے جاسکتے ہیں۔ پھر یہ بھی سوچئے کہ اخلاق اور عمل کے لحاظ سے مدارس عربیہ کے ان فارغ التحصیل حضرات کا پایہ کتنا اونچا ہے اور مسلمانوں کی اجتماعی خدمات میں ان کا کتنا حصہ ہے! ذکر ماضی کا نہیں حال کا ہے۔ گفتگو ان کے متعلق نہیں ہے جو اس دنیا میں نہیں رہے بلکہ ان کی نسبت ہے جو ہزاروں کی تعداد میں ہر سال علوم دینیہ و اسلامیہ کے حامل بن کر ملک کے طول و عرض میں پھیل رہے ہیں ان سب پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بعد فیصلہ کیجئے کہ کیا مسلمان دینی اور دنیوی غرض یہ ہے کہ کسی قسم کی تعلیم میں بھی سیدھے راستہ پر چل رہے ہیں اور کیا ان حالات کے پیشِ نظر کہا جاسکتا ہے کہ وہ جس راستہ پر چل رہے ہیں وہ واقعی "کعبہ کی راہ" ہے۔